ڈاکٹر رشید اللہ

اسلامی تہذیب کی ماہیت

یہ مقالہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کی مجلس مباحثہ میں پڑھا گیا تھا۔ میں نے اس موضوع کی مشکلات سے بیخبر ہونے کی وجہ سے اس بحث کو چھیڑنے کا جو وعدہ بزرگانِ قوم سے کر ڈالا تھا وہ بہت مہنگا پڑا۔ اور وہی ہوا:

کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

وجہ یہ کہ عہدِ جدید میں اسلامی تہذیب کا کوئی نمونہ موجود نہیں۔ پرانے نقوش تقریباً مٹ چکے ہیں۔ پھر مضمون پیچیدہ اور کثیر الاضلاع ہے۔ اس پر بحث کرنے کے لئے کئی علوم سے واقفیت ضروری اور بندہ ہیچ مدان ــــ پرانی کتابوں کا طریقِ بحث مختلف، اندازِ نظر جدا ــــ نئے مسلمان مصنف مرعوبیت کا شکار۔ اس لئے قدم قدم پر اصل اسلام کے بارے میں معذرت خواہ اور مغرب کے مستشرقین منفیانہ نقطۂ نظر سے صرف ان پہلوؤں کو اُبھارتے نظر آتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے سب کچھ باہر سے لیا، اپنا کچھ ہے ہی نہیں یا یہ کہ گذشتہ ڈیڑھ ہزار برس میں اسلام پر عمل کم اور اس کی خلاف ورزی زیادہ ہوئی ان مشکلات نے خاصا پریشان کیا مگر کچھ اپنی کوشش سے کچھ دوسرے احباب کی مدد سے میں نے معلق کو مقید کرنے کا ارادہ کر ہی لیا:

دل اپنا عشق کے دریا میں ڈالا توکلتُ علی اللہ تعالیٰ

اس کوشش کا نتیجہ پیشِ نظر مقالہ ہے۔ مجلسِ ثقافت میں اس پر جو بحث ہوئی وہ بڑی نتیجہ خیز اور دلچسپ تھی۔ ایک اہم سوال جس پر کافی گفتگو ہوئی یہ تھا کہ اسلامی تہذیب کی ترکیب جائز یا درست بھی ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں فاضل حاضرین نے بحث پر جو روشنی ڈالی۔ اس کے لئے میں ان کا بدل ممنون ہوں۔ تاہم یہ عرض کرونگا کہ بحث کے بعض پہلو اُلجھ سے گئے تھے۔ میں نے "اسلامی تہذیب" کی ترکیب اس موضوع پر لکھنے والے عام مصنفین کی رسم کے تتبع میں اختیار کی تھی۔ ورنہ یہ تو ظاہر ہے کہ تہذیب تو کسی قوم ہی کی ہو سکتی ہے کسی عقیدے یا مذہب کی نہیں ہو سکتی۔ کسی عقیدے یا مذہب سے اس کا انتساب محض اس وجہ سے ہو سکتا ہے کہ جس قوم کی وہ تہذیب ہے اس کا عقیدہ یا مذہب اس تہذیب کے تعمیری عناصر میں اہم عنصر ہے۔ ورنہ محض عقیدہ تہذیب نہیں۔ تہذیب، فکر یا عقیدہ ہی نہیں، عمل بلکہ تخلیق بھی ہے۔ تہذیب، عقیدہ، عمل اور سلسلۂ عمل کی پیداوار ہے۔ اس لئے قرآن کے احکام خود تہذیب نہیں۔ تہذیب کی بنیاد ہیں۔ یہ واضح ہے کہ دینِ اسلام نے معاشرہ کی تشکیل کے لئے بعض معین اُصول پیش کئے ان میں پرسنل لا، بعض جماعتی معاملات بعض بین الاقوامی اُصول اور بعض انفرادی اور اجتماعی اخلاق معین طور پر آ گئے ہیں۔ ان کے علاوہ عقائد

(عبادات کا تعلق فرد سے بھی ہے مگر جماعت بھی ان میں شریک ہے۔ ان ابتدائی نقوش کو لے کر ایک ایسی سوسائٹی قائم ہوئی جس نے ایک خاص تمدن کی بنیاد رکھی اس کی ابتدا سادہ تھی، مگر سلطنت کی وسعت سے اس میں دوسرے رنگ بھی شامل ہوتے گئے جن میں بعض ایسے بھی تھے جن کو دین کی اصل روح سے بیگانگی بھی تھی ــــ مگر مجھے یہ کہنے میں باک نہیں کہ اقدار و افکار کی کشمکش میں فیصلے کی راہ دین اور قرآن کے ذریعے ہی معلوم کی جاتی رہی کسی سوسائٹی میں سبھی لوگ اچھے نہیں ہوتے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں مگر قوموں کا امتیاز ان کی غالب آواز میں ہے ــــ اس لحاظ سے اسلام اس کی تہذیب کا جزوِ اعظم تھا، مگر اسلام اور تہذیبِ اسلام مرادف الفاظ نہیں۔

مختصر یہ کہ ایک نئے دین کے زیر اثر ایک دو صدی کے اندر اندر ایک خاص تمدن ظہور میں آیا جو مسلمانوں سے مخصوص تھا۔ وہ خالصتاً اسلامی (یعنی دین کے سو فیصدی مطابق) تھا یا نہیں یہ بحث بالکل بیکار ہے اس لئے کہ کسی معاشرہ کے سب اجزا یا سب عناصر سو فی صدی پاکیزہ اور خالص نہ ہوئے ہیں نہ ہو سکتے ہیں۔ اس لئے اس تمدن کے بھی بعض اجزا اجنبی اور نامانوس تھے (جو بادشاہوں اور دوسری معاشرتوں نیز انسانی کجروی کے زیر اثر ظہور میں آ گئے تھے) مگر جمہور یا غالب اکثریت کو ایک دینی روح کی جستجو تھی۔ جس کے سبب قرآن اور آنحضرتؐ کے اسوۂ مبارک تک پہنچنے اور اس کے مطابق چلنے کی آرزو نمایاں رہی ــــ جن لوگوں نے کجروی کی وہ بھی دینی روح سے کھلم کھلا باغی نہ ہو سکے "شخصی حکومت" اور فطرت انسانی کی بوالعجبیوں نے بھی بڑا اثر ڈالا مگر مسلمانوں کے تمدن میں دینی روح کے غلبے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو تہذیب اس تمدن سے نمودار ہوئی اس پر بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ اب آپ اس کو اسلامی تہذیب کہیں یا مسلمانی تہذیب مجھے اس نزاع سے دلچسپی نہیں۔ یہ تہذیب کی اصطلاح ہی مغرب سے آئی۔ اور فان کریمر اور صلاح الدین خدا بخش وغیرہ نے اس کو مقبول بنایا ــــ مگر بحث پھر وہیں آ کر ختم ہوتی ہے کہ مسلمانی تہذیب کا معنی ہے وہ تہذیب جو اسلام پر عقیدہ رکھنے والوں نے پیدا کی جو ظاہر ہے کہ عیسائیت یا یہودیت یا ہندویت پر عقیدہ رکھنے والوں کی تہذیب سے مختلف تھی۔ یہ امر مسلم ہے کہ مسلمانی تہذیب پوری دینی ہو یا نہ ہو دین کا اس پر غلبہ تھا اور یہی میرا دعویٰ ہے۔ باقی نزاعات مقالے سے صاف ہو سکتے ہیں۔

اسلامی تہذیب کی بحث سے پہلے، تہذیب کا مفہوم یا معنی جاننا ضروری ہے۔ لفظ تہذیب انگریزی لفظ کلچر کے مفہوم کے ادا کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے، اردو میں یہ مستعار لفظ (کم و بیش اس معنی میں) غالباً سب سے پہلے پچھلی صدی میں سر سید احمد خاں[۵] اور ان کے رفقاء کی تحریروں میں آیا اور رفتہ رفتہ اتنا مقبول ہوا کہ اب یہ ہماری زبان کے چند مشہور ترین

---

[۵] مخدومی چیف جسٹس ایس اے رحمٰن صاحب نے دوران بحث میں مجھے توجہ دلائی کہ سر سید نے تہذیب کا لفظ سولزیشن کے لئے استعمال کیا ہے اس کے لئے میں موصوف کا شکر گزار ہوں ــــ جب میں نے سر سید کی تحریروں پر پھر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ موصوف کا خیال (باقی نوٹ اگلے صفحہ کے نیچے)

الفاظ میں سے ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ تمدن کی اصطلاح بھی سامنے آتی ہے جو انگریزی لفظ Civilization کی قائم مقام ہے۔ اب مزید توضیح کے لئے میں کلچر اور سولزیشن کے لغوی اور اصطلاحی معانی بیان کرتا ہوں اور اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ علمی حیثیت کی حد تک ان دونوں الفاظ کی کوئی واضح تعریف مجھے نہیں ملی۔ یہاں تک کہ بعض بڑے بلند پایہ مصنفین کی ضخیم کتابوں سے جن کا موضوع ہی کلچر اور سولزیشن ہے یہ واضح نہ ہو سکا کہ کلچر اور سولزیشن کی حدود کیا ہیں اور ان دونوں میں کیا فرق ہے یا ان دونوں میں سے ہر ایک کہاں تک طرز فکر یا طریق زندگی ہے۔ یا ان میں کوئی ایک کس طرح دوسرے کا پیش خیمہ یا نتیجہ ہے وغیرہ وغیرہ ـــــ خلط مبحث کی حد یہ ہے کہ تمدن کو تہذیب اور تہذیب کو تمدن سمجھ کر مضامین کو یوں گھلا ملا دیا گیا ہے کہ تعریف بہت دشوار ہو گئی ہے۔

خوش قسمتی سے Murray کی انگریزی ڈکشنری سے یہ مشکل کسی قدر آسان ہوئی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ کلچر Cultivate سے ہے اور اسی مادے سے یہ توسیعی معنی مراد لئے ہیں۔

Cultivation or developement of mind, tastes, faculties, manners, refinement of education or Training.

اس کے ضمن میں یہ بھی واضح کر دیا کہ:

Culture is the intellectual side of civilization.

انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز کا مقالہ نگار کلچر کو اتنا وسیع سمجھتا ہے کہ اس کے نزدیک کلچر کسی قوم کا تمام مجلسی ورثہ Social Heritage ہے۔ کلچر کے مقابلے میں سولزیشن Civitus سے مشتق ہو کر City سے متعلق ہوا۔ لہٰذا تمدن جو مدینہ سے متعلق ہے اس کے قائم مقام اصطلاح ہوئی۔ پس تمدن کی تعریف ہوئی:

A developed or advanced state of human society: a particular stage or a particular type of it.

اس کی تائید مشہور مصنف Will Durant کے بیان سے ـــ ہوتی ہے۔ اس نے اپنی تصنیف The Story of Civilization میں یہ حد بندی کی ہے کہ:

Civilization is a social order promoting cultural creation.

اس لحاظ سے تمدن تو ایک Social order ٹھہرا اور کلچر سے مراد وہ نتائج ذہنی و فکری ہوئے جو ایک خاص ہیئت اجتماعی سے اسکے مخصوص سلسلہ ہائے عمل کے ماتحت خود بخود ظہور پذیر ہو جایا کرتے ہیں۔ ان نتائج کا مجموعی نام

(پچھلے صفحہ کا بقیہ نوٹ) درست ہے مگر ایک اور بات منکشف ہوئی کہ سر سید صاحب نے تہذیب کو سولزیشن کا مرادف تو کہا مگر اس کی جو تفصیلات بیان کی ہیں وہ سولزیشن سے زیادہ کلچر سے متعلق ہیں۔ گویا سر سید کے ذہن میں بھی ان اصطلاحوں کا مفہوم واضح نہ تھا۔

تہذیب ہے جس کے لئے زمانہ جدید میں شاید مصری یا شامی عربی ادب کی وساطت سے ثقافت کی اصطلاح بھی اختیار کرلی گئی ہے جس کا لغت کی رو سے معنی ہے ادراک یا وجدان، چنانچہ لسان العرب میں رَجُلٌ ثَقِفٌ ۔ رجلٌ حاذق اور ثقافۃٌ ۔ سرعۃُ التعلّم لکھا ہے ۔ قرآن مجید میں آیا ہے فاقتلوا ھم حیث ثقفتموھم اور فامّا تثقفنھم فی الحرب، یہاں "پانے" کے معنی ہیں ۔ اس لحاظ سے کسی قوم کے شعور، ادراک اور وجدان کی تکمیل ثقافت ہوئی ۔

تہذیب، قدیم علمائے اخلاق کی خاص اصطلاح بھی ہے اور کم وبیش انفرادی اصلاح خلق اور تزکیہ نفس سے متعلق ہے چنانچہ ابن مسکویہ، امام غزالی، نصیرالدین طوسی اور دوانی نے اپنی اپنی تصانیف میں اس پر بحث کی ہے ۔ اس کے مقابلے میں تہذیب (کلچر) کا جدید مفہوم انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی ـــــ بلکہ اجتماعی پہلے ہے اور انفرادی بعد میں ـــــ یعنی تہذیب ان آثار ومظاہر کا نام ہے جو ایک سوسائٹی کے مجموعی فکر وعمل سے نمودار ہوتے ہیں جس سے افراد فرداً فرداً بھی متاثر ومتکیف ہوتے ہیں ۔ اور اس طرح کسی تمدن کی ذہنی اور داخلی وحدتِ فکر ومیلان کا پتہ دیتے ہیں ـــــ لغوی لحاظ سے تہذیب لسان العرب کے نزدیک آلودگی سے پاک کرنا ہے مگر تہذیب کا جدید مفہوم تکمیل ذہنی اور نشو ونمائے فکری اور تخلیق ۔ کا ۔ معنی دیتا ہے اب رہا تمدن سو یہ مدینہ سے ہے اور مدینہ وہ شہر ہے جس میں لوگ انصاف حاصل کرنے کے لئے جائیں ۔ مدنیت بھی اسی سے ہے لو سیاستِ مدنُ قدیم علمائے سیاست کا ایک محبوب موضوع رہا ہے ۔ مدنیت اگرچہ موجودہ لفظ تمدن کے کچھ قریب ہے مگر پھر بھی محدود ہے ۔ کیونکہ تمدن بمعنی Civilization ایک وسیع اصطلاح ہے ۔ عربی ادب میں خصوصاً ابن خلدون کی تاریخ میں حضارت کی اصطلاح بھی آئی ہے جو تمدن کے قریب قریب ہے، مگر یہ اصولاً تمدن کے مرادف نہیں بلکہ بدویت کی ضد ہے جس کا صحیح ترجمہ اطوارِ زندگی Civility ہوسکتا ہے ۔ Civilization نہ ہوگا ۔ بہرحال مروجہ اصطلاحوں کی رو سے تہذیب میں تمام آدابِ زندگی، اطوار زندگی، تمام علوم، تمام مشاغل تفریحی، جملہ اشغال ذوقی، فنون لطیفہ اور صنائع مفیدہ شامل ہیں، اور تمدن اس سے وسیع تر، سلطنت، مذہب، قوانین ملکی وبین الاقوامی اور کلچر کی جملہ انواع مثلاً ادبیات، علوم وفنون، صنائع اور اعلی مجلسی آداب پر مشتمل ہے ۔ ول ڈیورنٹ نے اس سے بحث کرتے ہوئے یہ فرق خوب واضح کیا ہے کہ تمدن ایک منظم سلسلۂ عمل ہوتا ہے جس میں کم وبیش جبری ضابطہ بندی کا اصول کارفرما ہوتا ہے اور کلچر انہی پابندیوں کے اندر سے ذہن وفکر انسانی کا بے ساختہ اور کم وبیش آزادانہ ظہور ونفوذ ـــــ تمدن کا وجود تنظیم سے قائم رہتا ہے ۔ اور اس کے وجود کی ظاہری علامت اس کے نمایاں مظاہر کی یک رنگی اور وحدت ہے ۔ یہ بیک وقت طرز احساس بھی ہے اور طرز فکر اور طرز زندگی بھی، اس کے مظاہر (کسی تمدن کے مخصوص داخلی کوائف کی خارجی نشاندہی کرتے ہیں ۔ اس تمام بحث سے تین چار اصول وضع کئے جاسکتے ہیں :-

اول : تمدن یا سولزیشن ایک ایسی ہیئت اجتماعی کو کہتے ہیں ۔ جس کے اعمال اور سرگرمیوں سے کلچر یا تہذیب فروغ پاتی ہے ۔

دوم : تہذیب (کلچر) تمدن کے ذہنی آثار ومظاہر کا نام ہے ۔

سوئم : یہ دونوں چیزیں اس طرح باہم مربوط ہیں کہ ان کو ایک دوسرے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی یوں کہ کوئی تہذیب اس کے لازم تمدن کے بغیر ظہور پذیر نہیں ہوتی ۔

چہارم : ہر اعلیٰ تمدن ایک خاص قسم کی تہذیب کا خالق ہوتا ہے۔ اور وہ تہذیب اپنے ہی تمدن کی فضا میں پرورش پا سکتی ہے ۔ ورنہ مر جاتی ہے ۔

وقت کی تنگی مانع ہے مگر یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ تمدن کو وجود میں لانے والے چند اہم عناصر ہوتے ہیں مثلاً جغرافیائی اور اقتصادی حالات، مذہبی اثرات، سیاسی اور ملکی انقلابات وغیرہ ——— Will Durant کے نزدیک جو چیز کسی تمدن کو فروغ دیتی اور زندہ رکھتی ہے وہ بعض خاص احساسات قاہرہ ہوتے ہیں جو کسی قوم میں اس شعور خودی اور احساس انفرادیت کو زندہ رکھتے ہیں کہ ہم دنیا کی برتر مخلوق ہیں اور ہم دنیا میں ایک خاص مشن لے کر آئے ہیں۔ قوموں کا یہی احساس ان کی تنظیم کا اندرونی اور نفسیاتی قوت بخش عنصر ہوتا ہے۔ اور اسی احساس قاہرہ کی موت ان قوموں کی موت ہوتی ہے ۔

مندرجہ بالا تصریحات کے بعد شاید یہ کہہ دینا آسان ہو گیا ہے کہ اسلامی تہذیب ایک خاص تمدن کی پیداوار تھی جس کا آغاز دین اسلام اور اس کے ابتدائی کارکنوں اور علمبرداروں کے طرز زندگی سے ہوا۔ ان میں آنحضرتؐ کے اسوۂ حسنہ اور صحابہؓ کے عمل و تعامل سے اس کے پہلے مگر بنیادی نشانات قائم ہوئے۔ آنے والے مسلمانوں نے تقریباً ہر دور میں یہ جاننے کی کوشش کی کہ کسی خاص معاملے میں آنحضرتؐ اور صحابہؓ کا تعامل کیا تھا چنانچہ مسلمانوں کا یہ تجسس ان کے تہذیبی مزاج کا ایک داخلی عنصر بن گیا۔ یہ اسلامی تمدن مسلمانوں کی سلطنتوں کی وسعتوں کے ساتھ ساتھ دنیا کے ان خطوں میں پھیلتا گیا جو مسلمانوں کی سلطنت میں آتے گئے۔ مسلمانوں کا تمدن اپنے مزاج کے اعتبار سے بنیادی طور پر دو خاص عناصر کا حامل تھا۔ اولاً یہ کہ اس کے مرکزی نقوش دین سے حاصل کئے گئے تھے، اور دین اسلام 'عقائد و عبادات' کا مجموعہ ہونے کے علاوہ ایک مجلسی نظام اور طریق زندگی بھی تھا۔ لہٰذا اس تمدن پہ دین چاروں اطراف سے از ابتدا تا انتہا حاوی رہا[ف۵]۔ لہٰذا اسلامی تمدن کی داخلی روح نمایاں طور پر دینی ہی رہی ۔ دوم: مسلمانوں کی فتوحات کے سبب یہ تمدن خالصتاً نسلی اور یک قومی تمدن نہیں تھا، بلکہ ایک ایسا ملغوبہ تھا جس میں دنیا کی بعض بڑی اقوام اور بڑی بڑی نسلوں نے حصہ لیا جو مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں بود و باش رکھتی تھیں۔ اسلئے اسلامی تمدن ایک معجون COMPLE اور مختلف الاجزا تمدن بن گیا جس میں مقامی تہذیبوں اور معاشرتوں کے وہ سب اجزا اور عناصر جذب کر لئے گئے جو دین کے بنیادی اعلانات کے منافی نہ تھے ۔ اس تمدن کی یہ انتخابیت اسلامی دین کی

ف۵ اس کا یہ مطلب نہیں کہ مسلمانوں نے جو کچھ کیا وہ سو فیصدی دین کے مطابق ہی تھا۔ ایسا نہیں ہوا اور نہ ایسا ہونا ممکن ہے ——— مگر مجموعی لحاظ سے جب کسی کو فیصلے کی ضرورت محسوس ہوئی تو فیصلہ دین سے ہی حاصل کیا گیا۔ پروفیسر سہروردی نے بارٹولڈ کی کتاب مسلمان کلچر کے دیباچے میں اس نکتے پہ زور دیا ہے کہ اسلام میں عقیدہ رکھنے کی وجہ سے مسلمان کلچر میں وحدت اور یک رنگی پیدا ہوئی۔ اور قوموں کے اختلاف کے باوجود اسلام نے سب میں نمایاں مشترک خصوصیات پیدا کیں۔ (بارٹولڈ ص X)

عالمگیر آفاقیت کے بھی عین مطابق تھی۔ اسلئے اس تمدن کو وسعت پذیر ہونے میں کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی۔ اگرچہ دین اسلام اور اس کے مبلغوں کے لئے مختلف قوموں سے نباہ کرنے اور ان کے ناگوار تضادات کو رفع کرنے اور ان کو ایک تمدن اور ایک قوم میں تحلیل اور جذب کرنے میں بڑی مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ تاہم دین کی آفاقی روح نے شدید دینی حس کے بھروسے اقوام میں ایک تمدنی وحدت پیدا کرہی دی (ملاحظہ ہو بار ٹولڈ IX-X - پروفیسر سہروردی)۔ غرض اس تمدن نے ہر مقامی تمدن سے استفادہ کیا۔ مگر ہر موقعہ پر اس پہ مُہر اپنی لگائی اور اس کو اپنے مزاج کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔

مندرجہ بالا وجوہ سے اس تمدن کو اگر اسلامی تمدن بھی کہہ دیا گیا ہے، تو ——— یہ بہت زیادہ ناقابل قبول بات نہیں کیونکہ اس تمدن پر اسلام کے عقائد کا جتنا اثر نظر آتا ہے اتنا دوسرے عناصر مثلاً نسلی اور پرانی تہذیبوں کے عوامل کا نہیں، دوسرے اثرات تو اجزاء کی حیثیت سے اس میں شامل ہیں مگر ان پر ایک ایسا رنگ چڑھا ہوا ہے جو مسلمان ہونے کی بنا پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے تمدن اور تہذیب دونوں میں دین اسلام کے بعض خاص عقائد کا خاص اثر موجود پاتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اس تمدن میں دین سے انحراف اور کج روی کے نمونے بھی مل جاتے ہیں، مگر میں ان کو جزوی اور استثنائی خیال کرتا ہوں۔ یہ بڑے مسلمانوں کے اعمال واشغال تھے مگر یہ بُرے بھی باغی نہ تھے کجروی تھے۔

اس تمدن میں جن عقائد عظیمہ نے قوت اور بقا کی صلاحیت پیدا کئے رکھی ان میں اہم ترین یہ عقیدہ تھا کہ دین اور دنیا ایک ہیں اور زندگی کی تطہیر (عمل صالح) اور تسخیر (جہاد) بھی دین کا جزو ہے۔ دین کی اس روح کو بعض غیر اسلامی افکار سے نقصان بھی پہنچتا رہا، مگر دین کی اصلی روح عام طور پر ربنا اتنا فی الدنیا حسنةً وفی الآخرة حسنةً سے ہی بقا کا سامان پیدا کرتی رہی۔

علامہ اقبال نے اپنے خطبات میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اسلامی تصورِ تمدن کی بنیاد اصول حرکت پر ہے۔ انکے نزدیک زندگی کا سارا نظام حرکی اور ارتقائی ہے۔ اس رجحان نے بھی مسلمانوں کی عملی زندگی پر بڑا اثر ڈالا۔

مسلمانوں کی تاریخیت نے زندگی کے ارتقا میں محکم عقیدہ پیدا کیا۔ مسلمان قوم دنیا کی شاید سب سے عظیم مورخ قوم تھی۔ ان کی یہ تاریخیت بے سبب نہ تھی۔ یہ مساوات انسانی اور زندگی کے ارتقا کے عقیدے کا نتیجہ تھی۔ اور زندگی کے حادث ہونیکے ساتھ ساتھ اس کے متغیر ہونے کا تصور اسلامی منطق کے ابتدائی اسباق میں تھا۔ اور زندگی کے ترقی پذیر ہونے اور مکمل تر ہوتے جانے کا نظریہ مسلمان طبیعین کے علاوہ خود مسلمان صوفیوں کے نزدیک نہ صرف مسلّم بلکہ بڑا مقبول رہا۔ چنانچہ وکلّ یوم ھو فی شان کی توضیح وتشریح میں زندگی کی نت نئی شکلوں اور حسین تر روپوں کا تذکرہ تفسیروں میں بار بار آیا ہے۔ اس سے وہی نتیجہ نکلتا ہے۔ جو علامہ اقبال نے نکالا ہے:

> Thus all lines of Muslim Thought Converge in a Dynamic Conception of the Universe.

(خطبات P.176)

اس تمدن کی عمارت ان عقائد عظیمہ کے سنگ ہائے بنیاد پر بھی قائم رہی مگر اس کو قوی سے قوی تر بنانے میں بعض احساسات

قاہرہ ہمیشہ کارفرما رہے۔ ان میں ایک یہ تھا کہ دینِ اسلام دُنیا کا مکمل ترین، غالب ترین اور آخری دین ہے۔ چنانچہ ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے : (۱) الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت الخ

(۲) .... لیظہرہٗ علی الدین کلہٖ۔

اسی طرح یہ احساس کہ مسلمان افضل ترین قوم ہے اور خُدا نے اس کو دُنیا کیلئے نمونہ اور تطہیر و تکمیل حیات کیلئے نامزد کیا ہے

وجعلنکم امۃً وسطاً لتکونوا شھداء علی النّاس

اسی طرح یہ احساس کہ قرآن مجید خُدا کی آخری کتاب ہے اور اس میں ہماری زندگی اور آخرت کے لئے سب کچھ موجود ہے۔ اور یہ بھی کہ آنحضرتؐ انسانیت کا مکمل ترین نمونہ ہیں لہٰذا اہمات اُمور اور مشکلاتِ زندگی میں حوالہ اور مراجعت انہی کی زندگی اور عمل کی طرف ہونا چاہیئے۔ یہ احساسات مسلمانوں کی تمدنی اور دینی تنظیم میں ہمیشہ تعمیری اور تقویتی محرکات و معاونات کا کام دیتے رہے۔ اور یہ ایسے احساسات تھے جن کو دل میں لے کر مسلمان مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔ اور بڑی بڑی تہذیبوں اور بڑی باجبروت سلطنتوں سے ٹکرا گئے ـــــ اور اس وقت ٹکرا گئے جب ان کی اپنی علمی حالت اور ان کے وسائل ظاہری بہت محدود تھے ـــــ صرف جذبہ دینی اور یہ احساس کہ ہم ہیں۔ ان کے لئے سرمایۂ قوت اور وسیلہ تسخیرِ عالم ثابت ہوتا رہا ـــــ اُنھوں نے مادہ سے ہمیشہ کام لیا اور اس کی تسخیر بھی کی مگر وہ مادہ کے غلام کبھی نہ ہوئے۔ ان کے نزدیک جذبہ مادہ کا خالق اور اس کا متصرف ہے اور اس سے قوی تر ہے۔

ان گزارشات کے بعد غالباً اس امر کی تصریح کی ضرورت نہیں کہ اسلامی تمدن (یا مُسلمانی تمدن) کے مرکزی نقوش ایک خاص طرزِ احساس، ایک خاص طرزِ فکر، ایک خاص طرزِ زندگی، ایک خاص مجلسی نظام، سے مرتب ہوئے۔ جن کی بنیاد قرآن مجید کے ارشادات اور طرزِ زندگی پر رکھی گئی۔ ابتدا میں اس تمدن کا سادہ ہونا ظاہر ہے مگر رفتہ رفتہ زندگی کی وسیع تر ضرورتوں کے رنگ اس کے سادہ خاکے میں داخل ہوتے گئے ـــــ جن میں سے بعض دین کی اصلی روح سے الگ بلکہ بیگانہ بھی تھے مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ تمدن کا اصلی مزاج اکثر ان عناصر سے خبردار ہو کر انکے خلاف نبرد آزما ہوتا رہا۔ اس تمدن میں سب سے باغی عنصر خارجی اقوام کی معاشرت اور سلاطین و امرا کی مطلق العنانی بھی تھی ـــــ جس نے ایسے طرزِ سلطنت کو رواج دیا جو خلافت راشدہ سے بالکل مختلف تھا۔ مگر چونکہ یہ تمدن اُصولاً ایک عوامی اور جمہوری تمدن رہا ہے۔ اس کی سند عام طور پر بادشاہوں کے ہاتھ میں نہیں تھی عامۃ المسلمین کے ہاتھ میں ہی تھی۔ مسلمانوں کی تاریخ کے مختلف ادوار میں علما اور عوام کی قوت اتنی مسلّم اور غالب رہی ہے کہ درباروں اور سلطنتوں کو بھی اپنے اطوار میں کم از کم اپنی جلوتوں میں ظواہر کا پابند (Formal) رہنا پڑتا تھا۔ ورنہ مسلمانوں کا عام طبقہ ان کی زندگی :- طریقِ معیشت پر انگشت نما ہونے سے گریز نہ کرتا تھا۔ اور تاریخ کی خارجی اور اس سے زیادہ اس کی داخلی شہادتیں اس حقیقت کا بار بار اعلان کرتی ہیں کہ وہ سلاطین اور بادشاہ مسلمانوں میں مقبول نہ ہو سکتے تھے جن کی زندگی میں دین کے واضح اعلانات کے خلاف باغیانہ اعمال پائے جاتے

تھے۔ اس لحاظ سے یہ تمدن عام طور پر ایک متوسط شہری کا تمدن تھا۔ جس میں ثروت و دولت کو اہمیت تو ضرور ملتی رہی اور سلاطین کا جبر و اقتدار بعض غیر معتدل مظاہر کا ذمہ دار بھی ہوتا رہا۔ مگر جمہور میں دین کے سکھائے ہوئے آداب کا احترام ہمیشہ غالب رہا۔ انحراف کا دائرہ بعض درباروں یا خانقاہوں تک محدود رہا مگر یہ کھلی باغیانہ لہریں عموماً جمہور کے لئے ناپسندیدہ رہیں۔

کسی تمدن کا پہلا اہم مسئلہ طرز زندگی ہے۔ یہ بڑی وسیع اور پیچیدہ اصطلاح ہے۔ اس خاص بحث میں اسلامی تصور زندگی اور مسلمانوں کے طرز زندگی میں فرق کرنے کی بڑی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ مسلمانوں کے کسی خاص گروہ کی طرز معاشرت محض مسلمان کہلانے کی وجہ سے اسلامی ہی ہو۔ اسی طرح یہ بھی ہے کہ کوئی خاص طریق زندگی اسلامی نہ ہو مگر پھر بھی ضروری نہیں کہ وہ لازماً غیر اسلامی ہو ـــــ ان دو حدوں کے درمیانی فاصلے بہت ہیں، اور ان میں معاشرت کے عجیب و غریب تنوعات ملتے ہیں جو مختلف جغرافیائی اور نسلی اثرات کے سبب آپس میں سخت اختلاف رکھتے ہیں۔ تاہم اس سلسلے میں باہر کی کچھ حدیں ضرور قائم کی جاسکتی ہیں۔ اوّل: مسلمانوں کے مبین پرسنل لا کی وجہ سے مجلسی روابط کا ایک مرکزی خاکہ ہر جگہ موجود رہا یا اس پر اصرار کیا جاتا رہا۔ دوم: قرآن مجید اور آنحضرتؐ کے پیش کردہ واضح آداب کا ہمیشہ احترام ملحوظ رہا۔ اس طرح اگرچہ معاشرت کی جزئیات مقامی رہیں مگر معاشرت کا مزاج اور رجحان عموماً دینی ہی رہا۔

طرز زندگی میں نمایاں چیز لباس ہے مسلمانوں کے عہد میں مختلف ممالک میں لباس کی رنگا رنگی یہ بتاتی ہے کہ اس پر کوئی قید کبھی نہیں لگائی گئی۔ مگر ہاں یہ احتیاطیں ہر جگہ ملتی ہیں کہ لباس پاک ہو (کیونکہ نماز کے لئے طہارت ضروری ہے) اسی طرح اسلامی عقیدۂ حیا اور ستر کے منافی نہ ہو اور مردانہ زندگی کے مطابق ہو، وہ لباس جو عبادات میں مخل ہو اس کو بھی ناپسند کیا گیا ہے مسلمانوں کی تاریخ میں لباس کے ان طریقوں کے خلاف اکثر ناگواری کا اظہار کیا گیا جو نمایاں طور پر عیسائیوں یہودیوں اور ہندوؤں سے مخصوص تھا ـــ کھانے کے متعلق بھی یہی پابندیاں تھیں۔ مثلاً کھانا پاک ہو، حلال ذرائع سے کمایا گیا ہو، نشہ آور نہ ہو، شراب اور خنزیر اور مردہ جانور کا گوشت ممنوع رہا۔ رزق کا احترام اب تک عام مسلمانوں میں موجود ہے۔ مسلمانوں میں شراب پینے والے ہر دور میں رہے مگر شراب پینے والے بُرے ہی سمجھے جاتے تھے۔ اچھے نہیں خیال کئے جاتے تھے۔

مردوں اور عورتوں کے روابط کے متعلق تاریخ اختلاط اور عام مجلسی میل جول کی مثالوں سے تقریباً خالی ہے۔ چنانچہ اسی رعایت سے عورتوں کے لئے مشربیہ اور پردہ دار عماریوں وغیرہ کا رواج رہا ہے۔ عورتوں کی آزاد اور چار دیواری سے باہر کی مجلسی سرگرمیوں کا حال بھی تاریخوں میں کم ہی ملتا ہے۔ دوسرے مجلسی آداب میں آنحضرتؐ کے شمائل کے تتبع میں ایک ضابطۂ اخلاق وضع ہوا جس کو ابن مسکویہ، امام غزالی، اور دوسرے معلمین اخلاق نے اپنی اپنی تصانیف میں بڑی تفصیل سے پیش کیا ہے۔ اس میں سلام علیک، مشایعت، آداب طعام، مجلس میں گفتگو، نشست و برخاست، بزرگوں کے تقدم اور احترام کے آداب درج ہیں ـــــ اور شواہد یہ بتاتے ہیں کہ علی العموم Standardisation کے ذریعے۔ ایک

مسلمانی طرز کا دستورِ حیات وجود میں آگیا تھا (اس میں حج نے بھی بڑا حصہ لیا) ـــــ اس میں بعض اوقات انتہا پسندی کی وجہ سے اعتدال کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا رہا، مگر قرآن اور آنحضرتؐ کے نمونے کا Standard Reference Back عموماً باعث اصلاح ہو جاتا تھا۔

مسلمانوں کے دوسرے معاملات، مثلاً خرید و فروخت، سیر و شکار، معاہدات وغیرہ ـــــ ان میں بھی مقامی اختلافات کے ساتھ یہ احتیاط ملحوظ رہتی تھی کہ کوئی چیز اسوۂ رسولؐ کے منافی نہ ہو، یا اس کیلئے درجہ چیلنج نہ رکھتی ہو، یا ایسی نہ ہو جس سے اسلامی زندگی کے اصل مقصد (طہارتِ زندگی) پر زد پڑتی ہو۔ یہ قول ان لوگوں کے متعلق ہے جو اسلامی تصورِ زندگی کو محبوب جانتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ساری زندگی اور سب لوگوں کی زندگی قرآن و حدیث کے مطابق تھی ـــــ مگر مقبول ترین سانچا یہی تھا جس کو اعلیٰ اُسوۂ حیات کی تلاش ہوتی تھی وہ اس مسلک کی پیروی کرتا تھا۔ سُود کی ممانعت مسلّم ہے اس کا اثر مسلمانوں کے طریقِ تجارت پر ہوا اور یہ واضح ہے کہ اصل نفع روپیہ پر نہیں محنت اور کوشش پر ہے۔ بیع سَلَم کی ممانعت نے تجارتی سفروں کو بہت رواج دیا۔ سیر و شکار اور فوجی زندگی نے علاوہ جسمانی ورزشوں کے گھوڑوں، بیلوں، اونٹوں اور ہاتھیوں اور رتھوں کی ترتیب کے مواقع پیدا کئے اور بہادری اور آدابِ حرب میں تیغ زنی، نیزہ بازی وغیرہ وغیرہ کا خاص میلان پیدا کیا۔

میں نے ابھی ابھی Standardisation کا ذکر کیا ہے ـــــ یوں تو ہر تمدّن وحدت اور تنظیم پیدا کرنے کے لئے ایک خاص Form پر اصرار کرتا ہے یا وہ فارم اس میں خود بخود پیدا ہو جاتی ہے مگر اسلام نے سوائے ان احتیاطوں کے جن کا مذکور ہوا کسی خاص فارم کو Prescribe نہیں کیا ـــــ تاہم مسلمانوں کے خاص طرزِ فکر اور خاص اسلوبِ حیات کے سبب یا روابط باہمی کے سبب بعض خاص چیزیں خاص زمانوں میں مسلمانی تمدن کا جزو یا اس سے وابستہ خیال کر لی گئیں۔ جن کا ہمیشہ احترام ہوتا رہا ـــــ یہاں تک کہ ان میں سے بعض کا احترام آج بھی قائم ہے ـــــ مثلاً نماز کے حسبِ حال لباس، پردہ داری، ایک خاص طرزِ عمارت، ایک خاص دستورِ اخلاق کے علاوہ بعض نشانات۔ بعض مظاہر مثلاً تسبیح، عصا، طیلسان، خرقہ، وغیرہ یہ سب مسلمانوں سے وابستہ اشیا بن گئیں ـــــ ان سے انکار لازماً غیر اسلامی فعل نہیں مگر مسلمانوں کے بعض مخصوص عوامل زندگی سے بدظنی کا آئینہ دار ضرور ہے ـــــ پرانی Standard فارم کی یہ صورتیں آج دنیا میں کم سے کم ہیں اور ان کی جگہ دوسری غیر ملکی یورپین چیزوں نے لے لی ہے ـــــ مگر یورپین چیزیں یورپین ہی ہیں۔ اسلامی یا مسلمانی نہیں ہو سکتیں۔ بہ حیثیت قوم، کسی قوم کی قومیت کسی انفرادی یا امتیازی Form کی بے حد محتاج ہے۔ اور یہ انفرادیت حساس اور قاہر اقوام میں غیر شعوری طور پر پیدا ہو جاتی ہے مسلمان بھی ایک فارم رکھتے تھے جس کا نقش دوسروں پر بیٹھ جاتا تھا۔ اس کو نہ ماننے والا کافر نہ ہوتا تھا۔ مگر مسلمانوں نے کوئی نہ کوئی امتیازی فارم ضرور رکھی جو ان کو دوسری اقوام سے ممیز کرتی تھی۔ ایک الگ قوم کو ایک الگ فارم کی بے حد ضرورت ہے۔

اب اس تمدن کے خالص ذہنی آثار کی بحث آتی ہے۔ ذہنی آثار سے مراد وہی چیز ہے جسے میں نے گذشتہ سطور میں تہذیب یا کلچر سے تعبیر کیا ہے۔ کلچر یا تہذیب مخصوص تمدن کے ذہنی نتائج ہوتے ہیں۔ اسلام کے زیر اثر جو تمدن ظہور میں آیا ہے اس نے بھی ایک تہذیب پیدا کی۔ یہ مخلوط اور رنگا رنگ تہذیب تھی۔ اس میں اسلامی عقائد کا پرتو موجود ہے مگر کچھ دوسرے عناصر بھی ہیں جو مستعار بھی ہیں اور غیر دینی بھی۔ مگر مسلمانوں کے تمدن کے دینی اثرات نے اکثر حالات میں غیر دینی اثرات کو دبانے کی کوشش کی ہے۔ اس تہذیب میں ذہن کی رنگارنگی اور رجحانات کے تنوع کا عجیب نقشہ نظر آتا ہے۔ اس میں عربی، ایرانی، ترکی ہندی، چینی، مغربی غرض ہر ملک و قوم کے مخصوص نسلی میلانات عجیب انداز میں کارفرما نظر آتے ہیں ــــ اس معاملے میں واضح اور قوی اسلامی اثرات عربوں کے تمدن اور انکی سرگرمیوں میں ملتے ہیں بعد کی اقوام درجہ بدرجہ اسلام کی اصل تہذیبی روح سے کم یا زیادہ اثر پذیر ہوتی رہیں۔ عربوں کی تہذیبی روح قرآن مجید سے خاصی متاثر ہوئی۔

قرآن مجید کی تعلیمات اور عرب قوم کی نسلی معاریات کی روح فکری کم عملی زیادہ تھی ــــ قرآن مجید نے اس عملی روح کو عام مشاہدۂ کائنات اور حقیقتِ اشیا کے تجرباتی ادراک میں بدل دیا۔ اس سے بڑے بڑے علمی نتائج پیدا ہوئے جن کا کچھ دیر کے بعد ذکر ہوگا۔

قرآن مجید نے جس ذہن کی نشو و نما کی اس کے نزدیک زندگی ایک مقصد اور جہاد ہے اس سے عہدہ برآ ہونا ہی زندگی کی تکمیل ہے چنانچہ اس کے لئے قوت عمل اور تنظیم وسائل کی ضرورت پر بڑا اصرار کیا گیا۔ جہاد کی اس روح نے مسلمان اقوام کو بعض مخالف اثرات کے باوجود ہمیشہ سرگرم عمل رکھا۔

عربوں کا عقیدہ یہ بھی تھا کہ زندگی ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ وہ یہ مانتے ہیں کہ مادہ کی حسین صورت گری میں خود خالق حقیقی کا ایک روپ موجود ہے مگر قرآن مجید کی ابھاری ہوئی عملیت نے مسلمانوں کے فنی مظاہرات کو بھی خالص حسن پرستی کے جذبے سے کہیں زیادہ افادیت اور عملی مقصد کے سانچوں میں ڈھالا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں میں فنون لطیفہ (شاعری اور تعمیر کے ماسوا) کی تخلیقات میں ایک مجبوری کی فضا رہی فنون لطیفہ میں انہماک اور اس کے اثرات کو اکثر دینی روح کے منافی سمجھا گیا۔ اگرچہ فنون لطیفہ کا ذوق اس کے باوجود موجود رہا اور مسلمانوں میں فنون کے کارنامے بھی کچھ کم نہیں، مگر فنون کو اپنے مظاہرات کے لئے بہت سے حیلے اختیار کرنے پڑے جن کی تفصیل آگے آتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں حسن و جمال سے استلذاذ تو ملتا ہے، مگر اس کی پرستش نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ مسلمانوں میں کوئی ایسی تحریک نہیں ملتی جس میں محض جمال پرستی پائی جاتی ہو اسی طرح عورت کا احترام مسلمان سوسائٹی میں ہمیشہ رہا، مگر مسلمانی تہذیب کی فضا عموماً مردانہ ہی رہی ــــ عورت اس میں مرد کی فضیلت کے ماتحت ثانوی حصہ لیتی رہی اور عجب اس کے برعکس ہوا معاشرہ کے حق میں اچھا نہ ہوا۔

مسلمانوں اور خصوصاً عربوں کے علوم و فنون میں یہی ذہنیت ہر جگہ کارفرما ہے۔ مسلمانوں میں سب سے زیادہ علوم منقول مقبول ہوئے، پھر معقولات، فنون کا نمبر اس کے بعد آتا ہے مگر ادب اور فن تعمیر اس سے مستثنا ہیں۔ مسلمانوں میں ڈراما رواج نہیں پا سکا۔ باقی

انواع ادب میں سے اکثر بہت مقبول ہوئیں۔

اب علوم و فنون کی مختصر سرگزشت آتی ہے اور یہ بحث بھی کہ ان پر اسلامی تمدن کی مُہر کن کن صورتوں میں ثبت ہوئی۔ سب سے پہلے علوم! ــــ یہ مسلّم ہے کہ مسلمانوں کے اکثر علم قرآن مجید کے اردگرد گھومتے ہیں۔ چنانچہ عربی صرف و نحو، بیان، معانی وغیرہ، قرآن مجید کی خدمت کے لیے وضع کیے گئے تھے بصرہ و کوفہ کی وہ انسانیاتی تحریک جس میں: الاصمعی، مفضل الغبی وغیرہ وغیرہ نے خاص حصّہ لیا تھا۔ خدمتِ قرآن کے جذبے سے ہی ابھری تھی۔

حدیث کا علم آنحضرت کی حیاتِ مبارک سے روشناس ہونے اور اس کو مدون کرنے کے شوق سے ترقی پذیر ہوا، جس سے آگے چل کر بڑے بڑے علوم مثلاً تاریخ، جغرافیہ، سوانح، سیرت، تذکرہ، تراجم، شخصیات نگاری، تنقید، نفسیات شناسی، حلیہ نگاری، علم الانساب، قیافہ نگاری، علم العادات وغیرہ کی شاخیں نکلیں۔ قرآن مجید نے علم جغرافیہ، علم طبقات الارض، علم الاساطیر، قصص و اخبار، علم تقابلِ مذاہب، علم جوّ السما، علم البحار اور علم نجوم کی حوصلہ افزائی کی۔

قرآن مجید نے سیاحت اور سفر کے شوق کو ابھارا۔ چنانچہ ساتویں صدی ہجری تک کے عربی سکوں کا ناروے اور اسکنڈے نیویا سے پورے سراغ ملتا ہے۔

بنو اُمیہ کے آخری زمانے میں اور بنو عباس کے ابتدائی زمانے میں بیرونی اثرات کے ماتحت علمی نظریات اور علمی دبستانوں کا فروغ ہوا اور بہت جلد علوم و فنون کا ایک ایسا ہمہ گیر دریا بہ نکلا جس کی ایک موج چین کی سرحدوں سے اور دُوسری اندلس اور فرانس تک سے جا ٹکرائی۔

ان علوم و فنون کی وسعت اور نوعیت وغیرہ سے اس وقت بحث ممکن نہیں مگر ہمارے آج کے موضوع کے نقطۂ نظر سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ ان علوم کے وہ خاص نقوش کون سے ہیں جن کو خالص اسلامی یا مسلمانوں کے مخصوص تخلیقی صلاحیتوں کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔ مُسلمانوں سے پہلے سب سے بڑی تہذیب جس کے علمی سرمائے سے انکار نہیں کیا جا سکتا وہ یونان کی تہذیب تھی جس کے احسانات سے نوعِ انسان کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ مگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یونان کی علمی روح نظریاتی زیادہ تجرباتی کم تھی۔ تجربہ و مشاہدہ اور قیاس عملی مُسلمانوں کا خاص ذہنی عنصر ہے جس نے یونانی علوم کو دوبارہ مرتب کرتے ہوئے آیندہ آنے والی تہذیب کے سپُرد کیا۔

کہا جاتا ہے ــــ اور شاید بجا طور پر ــــ مُسلمانوں نے ارسطو کے نظریات اور نقوماخس کے فلسفۂ اخلاق کو ضرورت سے زیادہ اہمیت دی ــــ یہ درست ہے مگر اس معاملے میں مسلمانوں کی دینی حس نے ارسطو کو اپنا مرشد بنانے پر مجبور کیا۔ سبب یہ ہے کہ ارسطو نے اثولوجیا اور فلسفہ کو باہم مربوط مانا ہے اور دونوں کی مغائرت کو بہت حد تک دُور کر دیا ہے ــــ مسلمانوں میں جتنا کچھ فلسفہ رائج بھی ہو سکا وہ اسی سہولت کے سبب تھا۔ ورنہ دین کے ساتھ مابعد الطبیعیات کا پیوند لگانے میں خاصی دقت ہوتی ــــ! اس سے یونانی فلسفہ مشرف بہ اسلام کر لیا گیا اگرچہ بعض یہودی نومسلموں کی طرح اس نومسلم نے بھی فائدے سے زیادہ دین کی عملی روح کو نقصان ہی پہنچایا۔

اس سلسلے میں تصوف کا ذکر بھی کرنا چاہیئے۔ تصوف نے بھی مسلمانوں کی تہذیبی قدروں کی تشکیل میں بڑا حصہ لیا ہے۔ اسلام کی پہلی چند صدیوں میں جو کڑی دینی تنظیم اور سخت قسم کی عملیت پائی جاتی تھی اس میں کشادگی اور لچک تصوف ہی نے پیدا کی تصوف نے قلبِ انسانی کے احساساتی تقاضوں کا بڑا لحاظ رکھا اور خارج سے زیادہ باطن کی تہذیب پر نظر مرکوز کی تصوف نے وسعت مشرب اور دردمندی بنی نوع کا سبق بھی سکھایا اور مذہب کی روح تک پہنچانے کی کوشش کی۔ جمال اور محبت تصوف کی اساس تھی اس سے جذبے کو زندہ رہنے کا موقعہ ملا۔ البتہ اس میں کچھ شک نہیں کہ عصر کے ایک خاص رنگ نے صرف ذکر و فکر کو محور حیات قرار دیکر زندگی کی عملی رفتار کو بہت گھٹا دیا۔

عرب ذہنیت اپنی اصل کے اعتبار سے عملی اور تجربہ کی معتقد تھی۔ مجرد بحث و نظر عربی ذہن کے مذاق کی چیز نہیں۔ اگر عملی مشاہدہ و تجربہ کا وہ عمل جاری رہتا جو دین نے ابھارا تھا تو علوم طبیعیہ میں مسلمانوں کے یہاں وہ ترقیات و ایجادات ظہور میں آتیں جو آج مغرب کے لئے مایہ ناز ہیں۔ کچھ حملۂ تاتار نے مگر زیادہ تر ایران کی مجرد عقل پرستی نے اس ذوقِ عمل اور شوقِ تجربہ کو فنا کر دیا — تاہم فنونِ مفیدہ، صنائع اور ایجادات کی وہ امانت جو عربوں سے یورپ کے سپرد کی نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔ اسکوڈے گاما کا عرب جہاز ران اور ابن ماجد کی بحریات اور Cumpass اور اصطرلاب اور جر ثقیل کے طریقے اور آلات، طب، تعمیرات کے اوزار، جراحی وغیرہ سارٹن کی کتاب Inrroruction to the History of Scienee میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں۔ حملہ تاتار کے بعد ادراک حقائق کا شوق اور تجربہ و مشاہدہ کا ذوق کم ہوتا گیا۔ اور اس طرح علوم سے دین کی عملی روح ضعیف سے ضعیف ہوتی گئی۔ البتہ علوم منقول و معقول کی نظریاتی بحثیں اور موشگافیاں جاری رہیں۔ اور آزاد تحقیق کی جگہ علم کی تنظیم کے ذریعے ایک انحطاط پذیر کلاسیکیت کو فروغ ہوا۔ تاہم کبھی کبھی احیا کی تحریکیں پھر پیدا ہوتی رہیں جن کا مقصد اس علمی اسپرٹ کا زندہ کرنا تھا جو اسلام کی پہلی صدیوں میں موجود تھی۔ مسلمانوں کے علوم میں علم تاریخ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس سے اجتماع انسانی سے ان کے شغف کا پتہ چلتا ہے — اور یہ خالصتاً قرآن مجید کے تاریخی اشارات اور اجتماعیات نکات کی تحریک کا نتیجہ تھا۔

اب رہا مسلمانوں کا ادب تو اس ادب کی دو بڑی خصوصیات ہیں: اوّل اس کا اخلاقی لب و لہجہ۔ دوم: اس کا اسلوب۔ مسلمان ادیبوں میں (جن میں وہ دیسی اور مقامی ادب بھی شامل ہیں جو جا بجا مسلمانوں کے زیر اثر پیدا ہوئے) ایک خاص قسم کا اسلامی ماحول ملتا ہے بالالتزام حمد و نعت اور صفت معراج وغیرہ کا وجود اس کے خارجی خد و خال کو اسلامی بنا دیتا ہے — یہاں تک کہ فارسی کے ہندو مصنف بھی اپنی کتابوں میں حمد و نعت کا التزام کرتے تھے۔

با ایں ہمہ ادب کے متعلق مسلمانوں کا نظریہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجربہ نہیں وسیلۂ اظہار ہے مقصد نہیں ذریعہ ہے۔ مسلمانوں نے یا بہ الفاظ صحیح تر قرآن نے شعر کو الہام سے جدا قرار دے کر شاعری کے الہامی دعاوی کو صاف باطل کر دیا چنانچہ مسلمانوں کا عام خیال یہ رہا کہ ادب ایک صناعت ہے، اور اس کو تربیت سے حاصل کیا جا سکتا ہے اور اسے زندگی کے مقاصد میں ہر جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے — اس نظریہ کے سبب مسلمانوں نے مدعا اور مضمون پر عام طور پر قید نہیں لگائی، البتہ اسلوب بیان کی اہمیت پر ہمیشہ اصرار کیا — مسلمانوں کا یہ نقطہ نظر صحیح یا غلط — اس سے مطالب کے لئے

راستا کھلا رکھا گیا ہے۔ غرض عام طور پر ادب میں مضمون سے زیادہ طرز بیان کو اہمیت دی گئی۔ یہاں تک کہ متنبّی اور جاہلیت کے اشعار عرب بھی اسی شوق سے پڑھے گئے جس سے دُوسرے شعرا کے دیوان پڑھے جاتے تھے۔ مُسلمانوں کے ادبوں میں دو اثرات خالصتاً اسلامی عقائد اور فضا کے رہین منت ہیں: اوّل: سجع اور قافیہ کا ذوق اور کتابیت کا شوق۔ دوم: رمزیت اور ایمائیت۔ یہ دونوں صفات جن میں سے ایک کا تعلق صوت سے ہے اور دوسری کا تعلق طرزِ ادا سے مسلمانوں کے تمام ادبوں میں موجود ہیں۔ ان میں سے سجع اور قافیہ کا ذوق خود قرآن مجید کے زیر اثر تھا۔ جو مسلمان بچے کی تعلیم کی پہلی کتاب تھی۔ مسلمانوں کو زندگی میں قرآن سے اس قدر سابقہ پڑتا تھا کہ محض قرآن مجید سننے سے ہی اس کے ذوقِ سجع کی تربیت ہو جاتی تھی۔

مسلمانوں کے ادبوں میں غزل[1] کو جو اہمیت حاصل رہی ہے وہ محتاج ثبوت نہیں ——— دُنیا میں Lyricism ہر قابل ذکر ادب میں موجود ہے مگر Lyric میں رمزیت اور ایما و اشارہ پر اتنا ہمہ گیر اصرار یقیناً ان تمدنی اثرات کے ماتحت ہوگا جن میں مسلمانی ادبوں نے پرورش پائی۔ غزل کے عاشقانہ مضامین میں محبت کے خاص واقعات سے وابستہ مضامین کی جگہ عام جذبات کا بیان (بقول مولانا حالی) مسلمان معاشرت کے زیر اثر تھا۔ کیونکہ اس میں مرد اور عورت کا کھلا اظہار عشق پسند نہ کیا جاتا تھا۔

یہ نکتہ بھی خاص توجہ کے قابل ہے کہ مسلم معاشرہ میں یہ خاص قوت موجود تھی کہ وہ غیر اخلاقی اجنبی اور نامانوس عناصر کی اجنبیت کو بہت جلد دور کر لیتی تھی۔ چنانچہ ادب کے ہر دَور میں ہمیں تطہیر کا ایک خاص عمل نظر آتا ہے۔ جس سے ادب کے نامانوس معانی کا مرجع بدل دیا جاتا تھا۔ مثلاً غزل کے خمریہ اور رندانہ مضامین کی وہ تطہیر جو تصوّف نے کر دی تھی اس کے سبب مجازی مضامین کو صوفیانہ حقیقت کے قالب میں ڈھال دیا گیا۔ اور اس طرح بعض ایسے ناگوار عناصر کی چبھن کند ہو گئی جن سے اخلاقی لحاظ سے عام معاشرہ کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا تھا ——— اس طرح ادب اپنے پورے اظہار کے باوجود پھیلتا اور پھولتا اور معاشرہ کے ذوق میں جذب ہوتا رہا ——— اور روح افکار کا ایک ایسا ترجمان بن گیا جس کی زبان سے بلا خوف وہ افکار عالیہ بھی ادا ہوئے جن کو نثر میں برسرِ عام بیان کرنا ناممکن تھا اور وہ احساسات بھی ظاہر ہوئے جن کیلئے بڑی جرأت کی ضرورت تھی۔

یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ زیر بحث تہذیب مقامی اثرات کی ہمیشہ دوست رہی ہے اور جہاں تک ممکن ہوا ان کو ترقی دینے اور حسین بنانے میں سرگرم رہی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں نے دنیا کے اکثر ملکوں میں مقامی ادب پیدا کئے۔ ہندوستان میں پنجابی، ہندی، راجستھانی، کشمیری، بنگالی، مرہٹی، پشتو، سندھی، غرض ملک کی اکثر بولیوں اور زبانوں میں فارسی کے ساتھ ساتھ مخصوص مقامی ادب پیدا کیا ——— مگر ہاں ان سب پر مُہر اپنی لگائی ——— ان میں ایک خالص اخلاقی اور روحانی رنگ بھرنے کی کوشش کی ——— جس سے غیر مسلم شعرا بھی اثر پذیر ہوتے رہے۔ بھگتی تحریک کی ہندی شاعری بقول ڈاکٹر تارا چند مُسلمان صوفیوں ہی کے اثرات سے لبریز ہے اور اس زمانے کی ہندی موسیقی بھی مسلمانوں کے روحانی آہنگ اور انکے قلب و جگر کے سوز سے شعلہ آواز بنی ہوئی ہے۔

---

[1] غزل مسلمانوں کی خاص ادبی صنف ہے جس طرح مثلاً ہم گیت کو ہندی یا ہندو تمدن کی مخلوق سمجھتے ہیں۔ اگرچہ غزل لکھنے والوں میں ہندو اور گیت لکھنے والوں میں مسلمان بھی شامل ہیں۔

غرض یہ کہ مسلمانوں نے مشرق میں ایک خاص ادبی مذاق کی تربیت کی جس کی ترکیب میں یونانی نظریات بلاغت کے علاوہ مقامی اور ملکی اثرات نے بھی بڑا حصہ لیا۔ ادب میں ایک خاص اخلاقی حس پیدا کی اور اس کو عوامی سرمایہ اور عوامی دسترس کی چیز بنایا۔ ـــــ اس کو فحش اور بے حیائی سے پاک کرتے ہوئے عام انسانی جذبات کا ترجمان بنایا۔ جہاں تک میں سمجھ سکا مسلم ذہن Humour سے زیادہ Wit پر قادر تھا۔ عربوں کی Humour سادہ اور آزاد فضا کی پروردہ تھی مگر بعد میں کلاسیکیت کی پابندیوں نے اس ظرافت کی روح کو کچل ڈالا اور ظرافت کی خوشگوار اور کشادہ معنوی فضا کی بجائے لفظی صنعت گری اور صنعت تجنیس وغیرہ کے ذریعے Wit کو ترقی دی۔ اسی وجہ سے ظرافت کی سچی روح مسلمانوں کے ادب میں خال خال ہے۔ انکی ظرافت یا بہت سطحی ہو جاتی ہے یا مبتذل ہو جاتی ہے مسلمانوں کے ادب میں اسی وجہ سے ہجو اور فحاشی کی وہ صورتیں بھی نظر آتی ہیں جو دین کی اخلاقی روح کی منافی ہیں ـــــ مگر ادب کے اس پہلو کو دین اور اخلاق کے لحاظ سے پسندیدہ نہیں کہا جا سکتا۔

وہ چند فنون جن کے متعلق اسلام میں ممانعت کی سی فضا قائم رہی ان میں ایک مصوری تھی دوسری موسیقی۔ اس وجہ سے عام طور سے مصوری اور موسیقی کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ پھر بھی مسلمانوں کے ایک طبقے نے مصوری کی اور موسیقی سے بھی شغف رکھا مگر جمہور کے عقائد و خیالات کے پیش نظر بعض ایسی انواع فن کو زیادہ قبول عام نہ مل سکا جن کو دین کے مسلمہ عقائد کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ مسلمانوں نے مصوری کے بعض طرز تقریباً نظر انداز کر دیئے اور یہ عجیب بات ہے کہ جن طبائع نے ممانعت کی قید کو برداشت نہیں بھی کیا انھوں نے بھی تمدن کی دینی روح کا احترام کرتے ہوئے عموماً اپنے اوپر چند قیدیں عائد کر لیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان مصوروں نے چند حدود کا عام طور پر احترام کیا، مثلاً :

اوّل : خالص صورتگری کی بجائے مسلمانوں کی مصورانہ صلاحیتیں عموماً ہندسی مصوری یا نقاشی میں صرف ہوئیں۔

دوم : ان کی مصوری کا میدان خاص کتاب یا عمارت ـــــ (قرآن یا مسجد) ہے۔

سوم : عام کتابوں میں انھوں نے گل کاری کے علاوہ تصویریں بھی بنائیں مگر قرآن مجید کو مصوّر نہیں کیا۔ (ممکن ہے کچھ مستثنیات بھی مل جائیں مگر اس سے قاعدہ کلیہ ٹوٹ نہیں جاتا)

چہارم : سوائے چند مستثنیات کے آنحضرتؐ کی شبیہ نہیں بنائی۔

پنجم : شبیہہ نگاری بھی کچھ زیادہ نہیں ہوئی۔

ششم : جتنی مصوری ہوئی اس کا رابطہ مذہبی جذبات سے کم ہے۔ اس کی روح سراپا (Secular) ہے یعنی دین اور مصوری کے درمیانی فاصلے کو عموماً قائم رکھا۔

تقریباً یہی حال موسیقی کا ہے مسلمانوں نے موسیقی کی روح کا احترام کیا مگر اس کے لوازم اور نتائج کو دین کی عملی اسپرٹ کے منافی خیال کیا ہے ـــــ تاہم موسیقی کا علمی مطالعہ اکثر جاری رہا اور صوفیوں کے یہاں تو اس کو روحانی تکمیل سمجھا جاتا رہا۔ پھر بھی موسیقی اور اس کے متعلقہ اشغال کو دینداری اور علمیت دونو کا مخالف ہی سمجھا گیا جن لوگوں نے اس کے باوجود موسیقی سے تعلق رکھا وہ اسی

طرح ہے جس طرح مصوری (شبیہ نگاری) کی حوصلہ شکنی کے باوجود شبیہ نگاری ہوتی رہی اور ظاہر ہے کہ ان کو مسلمانوں کے تمدن کے غیر دینی اجزا میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہی حال فنِ تعمیر کا ہے —— چونکہ فنِ تعمیر کا مواد سب سے زیادہ ٹھوس اور مادی ہے اس میں اسلامی تہذیبی خصوصیات زیادہ محسوس اور نمایاں ہیں۔ چنانچہ مقامی فنی امتیازات کے باوجود مسلمانی تعمیرات کے مشترک اوصاف دنیا کے ہر ملک میں نظر آتے ہیں۔ ان میں گنبد، مینار، اور محرابی پیشانیاں مسلمانوں کی اکثر مذہبی اور غیر مذہبی عمارتوں میں نمایاں ہیں —— ان کی ابتدا بھی مسجد سے ہی ہوتی ہے جیسا کہ Briggs نے Legacy of Islam کے مضمون نگار نے اپنے مضمون میں اعتراف کیا (ص ۱۵۷) ۔

> The factor that transmuted and welded a host]of varying modes of building into one style possessing Individual characteristic was presumble the faith of Islam.

مسجد کے یہ نقوش ان کی عمارتوں کی داخلی خصوصیات کا جزو بن گئے ہیں۔ چنانچہ مدرسوں، سراؤں، مقبروں، و باغات کی عمارتوں کا نقشہ تقریباً یکساں ہے۔ اور یہ اثرات اس حد تک پھیلے کہ خود عیسائی، ہندو اور سکھ عمارات میں بھی گنبد اور مینار تعمیر ہوئے۔ روح کے اعتبار سے مسلمانوں کی عمارتیں کتابیت Symmetry پر بڑا اصرار کرتی ہیں —— اور یہ کتابیت دراصل انکی اس محبت و ذوق کی پیداوار ہے جو انہیں کتاب سے تھی۔ اس کے علاوہ مسلمانوں کو وسعت، شان، تکلف اور زیبائش کا خاص ذوق تھا۔ اور زیبائش میں الفسیفسہ (Mosaic) پچین کاری کاشی کاری، نسبت کاری، اور نقاشی ان کے خاص میدانِ شوق رہے ہیں۔ زیبائش کی یہ قسمیں انھوں نے اپنے گرد و پیش سے حاصل کیں مگر ان میں اپنی توجہ سے بڑی رنگا رنگی پیدا کی۔ اور اگرچہ بعض انتہائی صورتوں میں عمارتوں پر زندہ اشیا کی صورت گری بھی ملتی ہے۔ مگر یہ عام نہیں۔ چنانچہ ان کی بہترین صلاحیتیں نقاشی اور تزئین کی دوسری صورتوں میں صرف ہوئیں ۔

یہ ہے اس تہذیب و تمدن کی داستان جس کو اسلامی یا بالفاظ صحیح تر مسلمانی تہذیب و تمدن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ مسلمانوں کی زندگی اور عمل کا نقشہ ہے جس میں کئی ایسے خد و خال بھی ملتے ہیں جن کو اسلامی نہیں کہا جا سکتا (اور نہ اسلام ان کے لئے ذمہ دار رہا ہے) مگر یہ ایک ایسے معاشرہ کی تصویر ہے جس میں دین سے بغاوت کم اور اس کا احترام زیادہ ہوتا تھا۔ یہ اس معاشرہ کے خاص نقش و نگار کی سرسری سی جھلک ہے —— اس میں اس کے مرکزی رنگ کو ظاہر کیا گیا ہے ورنہ زندگی اور اس کی جلوہ آفرینیاں آسمان کے تاروں کی طرح لاتعداد اور ذرہ ہائے ریگ کی طرح ناقابلِ شمار ہیں۔ مسلمانوں نے دنیا کی اقوام سے استفادہ کیا اور ان کی دی ہوئی وراثتوں کو اپنے طور پر ڈھالنے کی کوشش کی۔ (جہاں تک ان سے ہو سکا) وہ ہمیشہ مسلمان ہونے پر فخر کرتے رہے یہی ان کا کل سرمایۂ حیات تھا۔ اسی شعور نے انھیں سب کچھ دیا۔ نظامِ عالم کا جو قانون سب سے زیادہ اٹل معلوم ہوتا ہے وہ ہے : "ولکلّ اُمّۃ اجلٌ"۔

تہذیب بھی ساون بھادوں کی برسات کی طرح کبھی ایک خطّے کو کبھی دُوسرے خطّے کو سیراب کرتی رہتی ہے۔ تہذیب کی برسات کا ایک بادل اپنی اسی گردش میں مُسلمانوں پر بھی برس کر کھُل گیا۔ اور اب مطلع صاف ہے اور ایک نئی تہذیب برسرِعروج ہے جس سے ہم فیض پا رہے ہیں اور زندگی سے متمتع ہونے کے لئے جتنی خوشہ چینی ضروری ہے وہ بھی ہو رہی ہے ـــــ مگر یہ زندگی کا نیا رُخ ہے جس کے رجحانات پچھلی تہذیب سے خاصے مختلف ہیں۔ مگر اس کی تفصیل کا یہ محل نہیں۔ یہ سوال کہ اسلامی تہذیب یا مُسلمانی تہذیب اب کہیں ہے یا یہ کہ مستقبل قریب میں کہیں ابھر سکتی ہے۔ میرے نزدیک مشکوک ہے ـــــ سبب یہ کہ زندگی کی قدریں بدل چکی ہیں ساور Reference back (مراجعت) کا عمل اب پچھلے تمدّن کے سرچشموں کی طرف نہیں رہا اور جہاں ہے وہاں بھی زندگی کی جدید تجلیات پر اتنا ایمان و یقین ہے کہ خودی کی تخلیقی قوتیں بیدار نہیں ہو سکتیں۔ لہٰذا تعمیرِ نو کی تحریک اِس احساسِ قاہرہ سے محروم ـــــ ہے جو تسخیر کی پوری قوّت کے ساتھ ساتھ خود تنگر بھی ہوا کرتی ہے اور سارے استفادہ کے بعد امور و معاملات پر اپنی خودی اور شخصیت کا امتیازی نقش قائم کر دیتی ہے۔ آج ہمارے پاس کچھ نہیں جس سے ہماری انفرادیت قائم ہو سکتی ہو ـــــ فکری لحاظ سے احیائے جدید کا کام علاّمہ اقبال کر سکتے تھے۔ مگر ان کا کام تکمیل نہ پا سکا کیونکہ وہ تعلیم یافتہ جماعت (جو رہنمائے فکر ہے) کے جمود کی وجہ سے اسلام کے تہذیبی سرچشموں کے لئے وہ ذوق اور تڑپ پیدا نہیں کر سکے جس کی تعمیرِ نو کے لئے ضرورت ہے ـــــ تاہم ایک خود نگر اور خود آشنا تمدّن کی توقعات سے کامل ناامیدی بھی نہیں :

مُردے از غیب بروں آید و کارے بکند۔

یہ کام دارالحکمت کے کرنے کا ہے مگر اس کے لئے دین کے سرچشموں تک پہنچنے اور اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف Reference Back کی اشد ضرورت ہو گی۔ نئے حالات میں نئی تعبیر و توجیہ حیاتِ فکری کا ایک اہم تقاضا ہے مگر اس کی حدود قرآن و سنّت سے قائم ہونی چاہئیں۔